حکمتِ سیّد مودودیؒ

دینی لحاظ سے فرد کی اہمیّت

اقتباس کردہ محمد یوسف صاحب - ادارہ معارف اسلامی ۔ منصورہ لاہور

میرے نزدیک اصل چیز فرد کی تکمیل ہے اور اجتماعی نظام بجائے خود مطلوب نہیں بلکہ فرد کی تکمیل میں مددگار ہونے کی حیثیت سے مطلوب ہے۔ قرآن کی رُو سے ہر انسان فرداً فرداً مسئول ہے اور آخرت میں تمام دُنیوی تعلقاتِ و روابط توڑ کر ہر شخص کو فرداً فرداً حساب کے لیے پیش کیا جائے گا۔ یہ تو میں میرا عقیدہ ہے۔ رہی میری تجدید ایمان کی تاریخ تو وہ بھی یہی ہے۔ سب سے پہلے میں جس چیز سے متاثر ہوا وہ یہ تھی کہ قرآن، انسان کو اُس کی صحیح قدر و قیمت سے آگاہ کرتا ہے اور اس کی زندگی کا مقصد متعین کرتا ہے اور اس مقصد کی طرف جانے کا راستہ، قدمِ اوّل سے لے کر آخری منزل تک نہایت واضح صورت میں پیش کرتا ہے۔ اس چیز کی تلاش مجھے تھی اور اسی کی تلاش کے دوران میں مجھے معلوم ہوا کہ قرآن تکمیل فرد کا راستہ اجتماعی زندگی کے باہر نہیں بلکہ اس کے اندر متعین کرتا ہے اور ایک ایسا اجتماعی نظام بناتا ہے جس میں ہر فرد نہ صرف خود اپنے کمال لائق کو پہنچ سکے۔ بلکہ دوسروں کے لیے بھی کمال کو پہنچنے میں مددگار بن جائے۔

میں فردیت سے اجتماعیت کی طرف آیا ہوں نہ کہ اجتماعیت سے فردیت کی طرف - میرے مضامین میں بھی عموماً یہ بات نظر آئے گی کہ میں فرد کو مقدم اور اجتماعی نظام کو مؤخر رکھتا ہوں البتہ جہاں مغربی نظامات اجتماعی و سیاسی کے معتقدین سے خطاب کا موقع ہوتا ہے وہاں اسلام کے اجتماعی و سیاسی نظام کی فضیلت پر زور دیتے ہوئے اگر انفرادی پہلو پر کم زور نظر آئے تو

اس سے وہ شخص غلط فہمی میں پڑ سکتا ہے جو میری دوسری تحریروں پر نظر نہ رکھتا ہو۔

میری تحریروں میں اجتماعیت پر زیادہ زور جو پایا جاتا ہے اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ علمائے سلف نے بالعموم اخلاق اور عبادات کے انفرادی پہلو ہی کو پیش کیا ہے۔ اور اجتماعی اخلاقیات کی طرف بہت کم توجہ کی ہے۔ نیز عبادات کا یہ پہلو کہ وہ فرد کی تکمیل کے ساتھ ایک صالح جماعت بھی پیدا کرتی ہے، سلف کی تحریروں میں اکثر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ میں نے ضرورت محسوس کی کہ اس کمی کو پورا کیا جائے اور اس ضرورت کا احساس خصوصیت کے ساتھ مجھے اس وجہ سے ہوا کہ مغرب کے اجتماعی نظامات اپنے لٹریچر اور اپنی تنظیم کے ذریعے سے جب دنیا میں پھیلنے لگے اور وہ مسلمان بھی جو اپنی انفرادی زندگی میں نہایت صحیح العقیدہ اور صحیح العمل ہیں، ان سے متاثر ہونے لگے تو میں نے اس کے اسباب پر غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ اول تو ہمارے لٹریچر میں انفرادیت غالب تھی جس کے اثر سے مسلمانوں کے رجحانات بالعموم انفرادی ہو کر رہ گئے ہیں اور اجتماعیت کی طرف سے ان کو ذہول ہو گیا ہے اور وہ صوم و صلٰوۃ کی پابندی اور اوامر و نواہی کی اطاعت کے ساتھ غیر اسلامی نظامات اجتماعی کے ساتھ تعلق پیدا کرنے میں کوئی غلطی نہیں پاتے۔ دوسرے اسلام کے اجتماعی نظام کی تفصیلات پر ہمارا لٹریچر اس قدر تشنہ ہے اور غیر اسلامی نظاماتِ اجتماعی کا لٹریچر اس قدر پُر زور ہے کہ اسلام پر صحیح اعتقاد رکھنے کے باوجود، ایک شخص جب اجتماعی مسائل سے دوچار ہو جاتا ہے تو لامحالہ کسی نہ کسی طور سے مغرب کا اجتماعی فلسفہ اور نظاماتِ اجتماعی کے اُصول اُس کے ذہن پر مسلط ہو جاتے ہیں۔ ان وجوہ سے میں نے اپنے نزدیک دین کی خدمت اسی کو سمجھا کہ جس پہلو میں اسلامی لٹریچر پہلے ہی کافی بالمدار ہے اُس میں اضافہ کرنے کے بجائے اس پہلو کو (باعتبار توضیح و تفصیل) مکمل کرنے کی کوشش کروں جس میں سلف کا مہیا کردہ لٹریچر ناکافی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی ایسی چیز کو فراہم کرنے کی کوشش کرے جو اگلوں سے چھوٹ گئی ہے یا جس میں اگلوں نے کام کم کیا ہے تو اُس کو یہ الزام نہیں دیا جا سکتا کہ وہ اُس چیز کے سوا کسی دوسری چیز کی اہمیت ہی نہیں سمجھتا۔ بزرگانِ سلف میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ اپنے دور میں انھوں نے جس فتنے کو زیادہ سخت دیکھا اُس کے مقابلے پر زیادہ زور صرف کیا اور اسی طرح جس پہلو میں مسلمانوں کو کمزور پایا اسی کو قوت پہنچانے کی زیادہ کوشش کی۔

(ہفت روزہ "صدق" لکھنؤ یکم ستمبر ۱۹۴۱ء)